تحریک پاکستان میں علماء کا کردار

ایک پروپیگنڈے کا جواب

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

سوال

پاکستان کو آزاد کرانے اور پاکستان کے بننے میں اور پاکستان کو آج تک قائم اور دائم رہنے میں علمائے کرام کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے، یہ سب جانتے ہیں، لیکن اس مضمون پر قدرے تفصیل سے حوالوں کے ساتھ گفتگو کر دیں تو مفید ہوگا کہ پاکستان کو آزاد کرانے میں علماء کا کیا ہاتھ تھا؟ اور کون کون سے علماء اس میں شامل تھے؟ اور آج تک کیا حال رہا؟ جو لوگ علماء کو دشمن سمجھتے ہیں، ان کے لیے بھی آپ کا تفصیلی جواب بہت مفید ہوگا۔ اس موضوع پر مفید کتابوں کی راہ نمائی بھی فرمادیں۔

سائل: محمد عبداللہ بذریعہ ای میل

جواب

تحریک آزادی اور قیام پاکستان دونوں کا الگ الگ پس منظر ہے، اُسے سمجھنے کے بعد ہی سائل کے سوال کا جواب اور قیام پاکستان کی تاریخ کا اصلی رُخ پیش کیا جاسکتا ہے۔ تحریک آزادی اور قیام پاکستان کے جداگانہ پس منظر کے سمجھے بغیر علماء کا کردار واضح نہیں ہوسکتا۔

جو تاریخی خلجان محترم سائل کو درپیش ہے یا بعض لوگ اس نوع کے مجمل سوالات کے ذریعہ مزعومہ جوابات تک رسائی کے متمنی ہوتے ہیں، یہ ان کا دیدہ دانستہ طریقہ ہے، وہ ہمیشہ قیام پاکستان اور پاکستان کی آزادی کے معاملے کو خلط ملط کر کے ہی سوالات کریں گے۔ یہ سوالات زبردست چالاک سیاسی فکر کی پیداوار ہیں۔ اس طرح کے اختلاطی سوال کر کے عام طور پر نئی نسل کو ایک تو مخصوص ذہنیت دینا مقصود ہوتا ہے، دوسرا ماضی کے آئینہ کو ایسا پراگندہ کرنا ہے کہ جس میں ہماری بعض مقدس ہستیوں کے اصل چہرے مدہم دکھائی دیں، جن کا استخلاصِ وطن (انگریز سے وطن چھڑانے) میں کوئی حصہ تو نہیں ہے، لیکن قیام پاکستان کا سہرا سر پر سجانے کے لیے اکیلے حق دار شمار

www.banuri.edu.pk

ہوتے ہیں۔ عقل و دانش کا حامل ہر انسان جانتا ہے کہ آزادی قبضہ یا قید سے خلاصی کا نام ہے، اس لیے پاکستان کی جو آزادی ہمیں باور کرائی جاتی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے قبل پاکستان پر قبضہ کی تاریخ بتائی جائے اور قبضہ کی تاریخ سے لے کر یومِ آزادی تک قابضین سے قبضہ چھڑانے یا بالفاظِ دیگر استخلاصِ وطن کی پوری تاریخ کو سامنے رکھا جائے۔

سرزمین ہند کی تاریخ کا ادنیٰ طالب علم واقف ہے کہ ہندوستان پر مغلیہ سلطنت کی اپنے عروج سے زوال تک تین صدیوں سے زیادہ عرصہ (۱۵۲۶ء تا ۱۸۵۷ء) حکومت قائم رہی، سن ۱۵۹۹ء میں مغربی شاطر، سیاسی فکر، تاجرانہ روپ میں ارضِ ہند پر وارد ہوئی، ابتدائی طور پر باقاعدہ شاہی رسوم وآداب کے مطابق بادشاہِ وقت کی خدمت میں سلامی ونذرانے پیش کرتے رہے، رفتہ رفتہ تجارتی مراسم کے ذریعہ باہمی اعتماد کی فضا بنا کر اپنے سامانِ تجارت کے لیے گودام اور گودام کی حفاظت کے لیے مسلح گارڈ کے اجازت نامہ کے ذریعہ اسلحہ وبارود لایا گیا، آگے چل کر بڑے شہروں میں قائم یہی گودام درحقیقت انگریز کی عسکری چھاؤنیاں ثابت ہوئے، اور بالآخر سن ۱۸۵۷ء میں آخری مغل بادشاہ، بہادر شاہ ظفر کو معزول کر کے برطانوی سامراج ارضِ ہند کا فرمانروا بن بیٹھا، اور برطانوی سامراج کا یہ قبضہ ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء تقریباً ایک صدی پر محیط رہا، اس دوران اس ناجائز قبضہ سے ارضِ ہند کی خلاصی کے لیے کئی معرکے لڑے گئے، جن میں سرفہرست بالاکوٹ کا میدان کارزار رہے، شاملی کا معرکہ اور تحریک ریشمی رومال اور دیگر چھوٹی بڑی تحریکیں بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔ ①

تحریکِ استخلاصِ وطن درحقیقت ان دردمند مسلمانوں کی اندرونی کڑھن کا نتیجہ تھی، جن کو ہر لحظہ یہ خیال ستاتا تھا کہ برطانوی سامراج نے اپنی شاطرانہ چالوں کے جال بن کر مسلمانوں سے اقتدار چھینا ہے، لہٰذا یہ اقتدار دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ آنا چاہیے۔ یہ جذبہ محض حب الوطنی کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ مسلم قیادت اسے اپنا دینی فریضہ بھی سمجھتی تھی۔ ظاہر ہے کہ دورِ غلامی میں حب الوطنی کا یہ جذبہ آس ویاس کے پیچ ہچکولے ہی لے سکتا تھا۔ عملی میدان میں اترنے کے لیے درکار وسائل کے بغیر کوئی انقلابی قدم اٹھانا کیونکر ممکن تھا، یہی وجہ ہے کہ ارضِ ہند میں ہندو اکثریت کے باوجود استخلاصِ وطن کی ابتدائی تحریک میں ہندو قیادت کی خاطر خواہ دلچسپی نہیں تھی اور مسلمانوں میں سے بھی صرف دینی قیادت ہی اپنے ایمانی جذبے اور مذہبی فریضہ کے طور پر اپنی جانوں پر کھیلنے کو تیار ہوسکتی تھی، چنانچہ انہیں نعرہائے آزادی کے اسی جرم کی پاداش میں انگریزی دور میں مختلف مقامات پر ہزاروں علماء کو سولی پر لٹکا دیا گیا، توپوں کے دہانوں پر باندھ کر اُڑایا گیا اور قید وبند کی صعوبتوں کی تاریخ تو مالٹا سے لے کر مالدیپ تک ہر جیل کے در و دیوار پر کندہ ہے۔

استخلاصِ وطن کے لیے، پورے پورے ملک کی آزادی کے لیے ان ساری قربانیوں میں اگر کسی کا نام لیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف علمائے ہند بالخصوص علمائے دیوبند اور ان کے پیروکاروں کا ہی نام ملے گا، ② حتیٰ کہ مسلم قیادت کے غیر علماء میں سے کوئی بھی نامی گرامی شخصیت ایسی

نہیں ہے جس نے آزادیٔ وطن کے لیے جان دی ہو، یا کم از کم جیل یاترا کی سعادت پائی ہو، کیونکہ قربانی محض مذہبی وایمانی جذبہ کا ہی ثمرہ ہوا کرتا ہے اور مذہب وایمان سے بھلا علماء سے بڑھ کس کا رشتہ ہوسکتا ہے۔ ان علماء میں سرفہرست ۱۷۵۸ء میں تحریک آزادی اور قیامِ خلافت کا ابتدائی بیج بونے والے شاہ ولی اللہؒ، ان کا خاندان، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ، ان کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا جعفر تھانیسریؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ، مولانا عبدالماجد قادری بدایونیؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹیؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا محمد میاں انصاریؒ، مولانا عبدالقدوسؒ، مفتی محمد صادق کراچویؒ وغیرہ (رحمہم اللہ علیہم) شامل ہیں۔

جب علما کی قربانیوں کے نتیجے میں آزادیٔ ہند کی تحریک پھیلنے لگی تو اس کے وسیع دائرے میں کئی مسلم وغیر مسلم سیاسی رہنما بھی شریک سفر بنتے چلے گئے، اسی طرح ۱۸۸۵ء میں ہندوستانی قومیت کی بنیاد پر اجنبی دشمن سے آزادیٔ ہند کے لیے ایک بڑا الائنس (کانگریس) بھی وجود میں آگیا، جس میں مسلم اور ہندو سیاسی قیادت یکجا دکھائی دینے لگی، یہ وحدت محض سیاسی وحدت تھی اور اس نکتہ پر قائم ہوئی تھی کہ ارضِ ہند پر اقتدار کا حق اہلِ ہند کو ہے، اجنبی قابضین کو ملک بدر ہونا چاہیے، ③ یہ سیاسی فکر اسلامی اصولوں سے متصادم نہیں، بلکہ ہم آہنگ تھی، اور اس اتحاد کی بنا پر ہندو اکثریت مسلمانوں کی جانب سے اُٹھائی گئی تحریک آزادی کی سپورٹر ثابت ہو رہی تھی، ④ جس کے نتیجے میں قابض سامراج ملک بدری کے لیے مجبور ہو رہا تھا، چنانچہ اس نے جاتے جاتے ایک اور شاطرانہ چال چلائی کہ پہلے مسلم و ہندو اتحاد میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش کی جس میں کسی حد تک کامیاب رہا، لیکن انگریز کو اس سے بڑی کامیابی بایں طور حاصل رہی کہ سامراج کے خلاف بغاوت میں بنیادی کردار ادا کرنے والی مسلم قوم سے انتقام لینے کے لیے اسے ایسی راہ پر الجھا گیا کہ وہ اپنی حقیقی مطلوبہ منزل (کل ہندوستان پر دوبارہ حکومت) کو ہرگز نہ پاسکیں، انگریز کو یہ بڑی کامیابی اس وقت میسر آئی جب مسلم قیادت جمعیت علمائے ہند اور مسلم لیگ کے عنوان سے تقسیم ہوکر آزادیِ ہند کے فارمولے پر ایک دوسرے سے جداگانہ مطالبے کی حامل بن گئی، جمعیت علمائے ہند اپنے پرانے مطالبے (کل ہند کی آزادی) کو آزادی سمجھنے پر مصر تھی، جبکہ مسلم لیگ تقسیم ہند کے فارمولے کو آزادی سمجھ رہی تھی۔ ⑤

ہمارے اس نظریاتی اختلاف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریز بہادر قاضیِ انصاف بن کر کرسی قضا پر براجمان ہوا اور فریقین کے طور پر فیصلہ سنانے کے لیے ہمیں سامراجی کٹہرے میں لا کھڑا کیا، انصاف سے دیکھا جائے تو تقسیم کے فارمولے پر رضامند ہونا مسلم لیگ سے زیادہ جمعیت علمائے ہند کی

سیاسی وفکری خودکشی تھی، کیونکہ استخلاصِ وطن کے لیے ان کے آباو اجداد کی کاوشیں ملک کے کسی ایک حصہ کے لیے نہ تھی، پوری ارضِ ہند کے لیے تھیں، اسی بنا پر ان کا مؤقف یہ تھا کہ ملک کا بٹوارا آزادیِ ہند کے شہداء کے خون اور غازیوں کی جدوجہد سے غداری ہے، نیز یہ کہ ہماری دھرتی ہم سے چھینی گئی ہے تو غاصب کو ہمارے درمیان کسی بھی نوع کے فیصلے اور انصاف کا کیا حق ہے؟ اس کا انصاف تو فقط یہ ہے کہ وہ ناجائز قبضہ ختم کرے، ہماری دھرتی کی تقسیم کا اسے کوئی اختیار نہیں۔

مگر دوسری طرف تقسیم کے حق میں مسلم و ہندو قومیتوں کے درمیان اشتراکی عمل کو سیاسی مسئلہ سے آگے بڑھا کر مذہبی وفقہی مسئلہ بھی بنا دیا گیا تھا، اور مسلم لیگی قیادت نے مسلم و غیر مسلم کے اشتراک عمل کو ہم نوا دینی قیادت کے ذریعہ ایسا حرام و ناجائز باور کرایا کہ ملک کی سیاسی تقسیم، اسلامی وفقہی جغرافیہ بن کے رہ گئی، اور پاکستان کا مطلب کیا: ''لاالٰہ الااللّٰہ محمدرسول اللّٰہ'' کا جذباتی نعرہ ایسا بلند ہوا کہ مسلمانانِ ہند کی کثیر تعداد کلمہ طیبہ کے احترام میں اور اس کے ضمن میں ظاہر کردہ نیک مقاصد کی تلاش میں تقسیم ہند کے فارمولے پر رضامند ہوگئی۔ اور شاطر انگریز، مسلم قوم کو پوری ہندوستانی سلطنت و حکومت لوٹانے کی بجائے ایک ایسے حصے پر قانع کر گیا جو پہلے ہی سے مسلم اکثریتی آبادی پر مشتمل تھا، اگر انگریز بہادر نے اپنی روایت کے مطابق واقعی انصاف فراہمی کا فریضہ نبھانا تھا تو اولاً مساویانہ تقسیم ہوتی، آدھا ہندوستان مسلم قوم اور آدھا غیر مسلم قوم کو دے دیتا، یا کم از کم ہندو اکثریتی علاقوں میں سے کچھ حصہ ہندوؤں سے لے کر مسلمانوں کو دے دیتا، جسے انگریز کی طرف سے مسلم قوم کے لیے ''دین'' اور ''عطاء'' کہا جا سکتا، کیونکہ انگریز سرکار کا طریقہ بھی یہی تھا کہ وہ کسی کی بھی زمین لے کر اپنی وفاداری کے صلے میں کسی اور کو دے دیا کرتا تھا، مگر ایسا بھی نہ ہوا۔ اگر مسلم اکثریتی خطوں کی بنیاد پر تقسیم ہی انگریزی مذہب کے عہد عتیق میں رقم تھی تو کم از کم تقسیم کی جغرافیائی لکیر، لفظ ''پاکستان'' کے گمنام خالق مرحوم چوہدری رحمت علی کے مجوزہ فارمولے کے مطابق ہو جاتی، یعنی عثمانستان، بانگ اسلام اور پاکستان تو مسلمانوں کو بٹوارے میں فائدہ ہوتا۔ ⑥ مگر بدقسمتی سے ایسا بھی نہ ہو سکا، بلکہ پہلے سے ہمارے زیر ملک ہماری زمین ہمیں ہی خیرات میں چھوڑ کر ہمیں اپنا ممنون احسان بنا کر انگلستان سدھار گیا، اور طوقِ غلامی اپنے ہاتھ سے اپنے بڑے بھائی (امریکہ) کے ہاتھ تھما کر چلا گیا، اور ہم سادگی میں آزادی کے شادیانے ہی بجاتے رہ گئے۔ اور تقسیم کے حوالے سے اپنے نفع ونقصان کی درست تشخیص نہ کر پائے۔

اگر اس تاریخی پس منظر کے تناظر میں دیکھا جائے تو کوئی عالم دین اور سیاسی شعور کا حامل انسان شاید ہی ایسی تاریخ کا حصہ شمار ہونے کے لیے رضامند ہو سکے، مگر طرفہ یہ کہ مکار دشمن کی چالوں کو سمجھنے اور ان کے فارمولوں کو ٹھکرانے والے انگریز دشمن علماء کو ''قیام پاکستان کا دشمن'' قرار دیا جاتا ہے، اس انگریز دشمنی کو پاکستان دشمنی کہنا ایسے ہی غلط ہے جیسے تقسیم کو آزادی کہنا۔

اگر آزادیِ وطن کے روایتی مفہوم اور قیام پاکستان کے دینی نعرے کے نام پر قربانی کے عنوان

www.banuri.edu.pk

سے علماء کا کردار سمجھنا چاہیں تو بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ قیام پاکستان کے دینی نعرے کی بنیادوں سے لے کر پہلی قومی پرچم کشائی تک اکابر علمائے دیوبند میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متوسلین کی تائید وحمایت نہ ہوتی تو قیام پاکستان کو کبھی بھی دینی نعرے کی بنیاد پر حاصل نہ کیا جاسکتا تھا، مسلم قوم محض لیگی قیادت کے تدین کی بنیاد پر تقسیم کے فارمولے کو کفر واسلام کا فارمولا ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوتی، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت قائداعظم سے سوال کیا گیا کہ مذہب کی بنیاد پر تقسیم کی صحت وسند کے لیے کون سے علمائے مذہب آپ کے ساتھ ہیں؟ تو قائد کا جواب تھا: ’’مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم (حضرت تھانوی) ہے، جس کا علم وتقدس وتقویٰ سب سے بھاری ہے، اور وہ ہیں مولانا اشرف تھانوی، جو چھوٹے سے قصبے (تھانہ بھون) میں رہتے ہیں، مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے۔‘‘ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو قیام پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے نہ دیکھ سکے، لیکن ان کی فکر کے حامل ان کے خواہرزادے شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ قیام پاکستان کی باقاعدہ رسومات میں اول دستہ رہے، چنانچہ مغربی پاکستان میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے پرچم کشائی فرمائی اور مشرقی پاکستان میں علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے قومی پرچم لہرایا اور ان ہی بزرگوں کی کاوشوں سے قراردادِ مقاصد تیار ومنظور ہوئی۔

یہاں تک پاکستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام میں علماء کی ضرورت اور کردار کا ایک پہلو سمٹ جاتا ہے، اور قیام پاکستان کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کے بعد وطن عزیز انگریز کی پروردہ تربیت یافتہ بیوروکریسی کے حوالے ہوجاتا ہے، اب پاکستان کے مطلب کی تعیین، تشریح اور عملی تطبیق انہیں ’’مخلصین دین وملت‘‘ کے سپرد ہوجاتی ہے اور گویا علماء کی ضرورت پوری ہوگئی اور ان کے ’’ناتواں کندھوں‘‘ سے پاکستان کے مطلب کی تعیین وتطبیق کا بوجھ اٹھالیا جاتا ہے، یہاں تک کہ قائداعظم کی خواہشات وسفارشات کو بھی بڑھاپے کی ناکارہ آرزوؤں کی ٹوکری میں پھینک کر مغرب کی کورانہ تقلید کی رسم بڑھائی جاتی ہے اور ماہ وسال کے گزرنے کے ساتھ یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔ (۷)

لیکن اب بھی علمائے اسلام ان حقائق سے بخوبی آگاہ وآشنا ہونے کے باوجود قیام پاکستان کے حقیقی مقاصد کے حصول کے لیے مسلسل اپنا کردار ادا کررہے ہیں اور تقسیم کے فارمولے سے دور اندیشانہ سیاسی اختلاف کے حاملین علماء ہوں یا ہندوستان کی تقسیم کو شرعی تقسیم کہنے والے علماء، سب کا اس پر اتفاق ہوچکا ہے کہ پاکستان کے نام سے معرضِ وجود میں آنے والی مملکت خداداد کا تحفظ ودفاع اور اسے اس کی حقیقی منزل تک لے جانا تمام علمائے امت کا مذہبی فریضہ بن چکا ہے، تقسیم کے نتیجے میں ایک حقیقت سامنے آجانے کے بعد اب یہی کہا جاسکتا ہے کہ کسی مقام پر مسجد کے بننے نہ بننے میں اختلاف ممکن ہے، لیکن اختلاف کے باوجود جب اسی مقام پر مسجد بن جائے تو اس کا تقدس وتحفظ اور تعمیر وترقی، مذہبی ضرورت اور فریضہ بن جاتا ہے، (۸) لہٰذا جمعیت علمائے ہند کے نظریۂ آزادی کے حامل علماء ہوں یا مسلم

لیگ کے نظریۂ تقسیم و آزادی کے حامل علماء ہوں، بلکہ کسی بھی مسلک کے علماء ہوں، سبھی یکجا ہو کر ملک کی نظریاتی و جغرافیائی سرحدوں کے تحفظ، دفاع اور بقا و استحکام کے لیے ہر ممکن تگ و دو کرتے چلے آئے ہیں، مگر انصاف سے کہا جائے تو قیام پاکستان کے بعد پاکستان کو ’’لا إلٰہ إلا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ‘‘ کے مطلب و مقصد کی گم کردہ منزل کی طرف لے جانے میں ان علماء کا حصہ زیادہ ہے جو عام طور پر قیام پاکستان کی مخالفت کے الزام اور پروپیگنڈے کا نشانہ بنائے جاتے رہے ہیں۔

چنانچہ آزادی کے بعد علماء کی ایک جماعت کی پیش کردہ متفقہ قراردادِ مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے، ۱۹۵۲ء کا آئین اور ۱۹۷۳ء کا آئین علماء ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اور تحریک نظام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے قربانیاں بھی علماء نے دیں، قراردادِ مقاصد سے لے کر یہاں تک جن علماء کے نام لیے جا سکتے ہیں، ان میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، محدث بے مثال علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد ادریس کاندہلوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ، ضیغم اسلام مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ، مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عبدالصمد سربازی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حبیب اللہ ٹھیٹری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد صادق کراچوی رحمہم اللہ جمیعاً کے اسماء گرامی پاکستان کی آئینی تاریخ کا حصہ ہیں۔

اب بھی الحمد للہ! انہی بزرگوں کی روحانی اولاد وطن عزیز کو قیام پاکستان کے حقیقی مقصد تک پہنچنے کے لیے ہر محاذ پر کوشاں ہے، مگر سامراج سے متاثر طبقہ نہ صرف یہ کہ علماء دین کو قیام پاکستان کے مقصد کی طرف بڑھنے نہیں دیتا، بلکہ اس طرف توجہ دلانے کو ملک دشمنی اور ملک سے غداری قرار دیتا ہے، لیکن بہی خواہانِ پاکستان کو مژدہ ہو کہ یہ علماء کرام ان روحانی ہستیوں کے فیض یافتہ ہیں جو تمام تر رکاوٹوں کے باوجود اللہ کی مدد کے ساتھ اپنے اس مقصد پر کاربند بھی رہیں گے اور قیام پاکستان کے اصل مقصد کو بھی عوام کے سامنے تازہ کرتے رہیں گے اور اس خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، کیونکہ علماء کرام کا یہ طبقہ مملکت خداداد پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کے لیے دعا گو ہے، اسی طرح اس کی نظریاتی حدود کی حفاظت کا اپنے کو ذمہ دار سمجھتا ہے۔

مذکورہ بالا تاریخی حقائق کا منصفانہ اور حق جویانہ مطالعہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا:

۱:...... برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟، از حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

۲:...... علمائے ہند کا شاندار ماضی، از مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ

۳:...... تاریخ دعوت و عزیمت، از مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

۴:......تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی وعلمی کا کردار، از ڈاکٹر ایچ بی خانؒ

۵:......سیاسی ڈائری از مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حواشی وحوالہ جات

①:...... ملاحظہ فرمایئے: مسلمانوں کا روشن مستقبل از طفیل احمد منگلوریؒ، باب سوم: ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈھائی سو سال۔

--برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ۔

--علمائے ہند کا شاندار ماضی (جلد سوم، چہارم وپنجم) از مولانا محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ۔

--ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کی کتاب ''بیسویں صدی میں ہندوستان کی ملی تحریکیں'' شائع کردہ: قندیل لاہور، اسلام آباد۔

②:......۱۸۵۷ء کی جنگ کے حالات کے لیے خاص طور پر ملاحظہ فرمائیں:

بہادر شاہ ظفر کے داروغہ ظہیر الدین ظہیر دہلوی کی کتاب ''۱۸۵۷ء کے چشم دید حالات المعروف داستان غدر'' مطبوعہ حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور۔

--طفیل احمد منگلوریؒ نے بھی اس دور میں انگریز کے مظالم کی کچھ روداد خود فرنگی مورخین ہومز، تھامسن، ولیم میور اور فریڈرک کوپر کے اعترافات کی صورت میں نقل کی ہے، دیکھیں: مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص: ۸۰ تا ۸۲۔

--غدر کی وجوہات پر سید احمد خان کی ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' بھی قابل مطالعہ ہے۔

③:......کانگریس کے قیام کی تاریخ ومقاصد اور علمائے ہند کے اس سے تعلق کے متعلق مستند تفصیلات کے لیے دیکھئے: علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، باب چہارم وپنجم، مطبوعہ الجمعیۃ پبلیکیشنز۔

④:......اس مناسبت سے بابر کی وہ وصیت بھی پڑھتے جایئے جو مغلیہ سلطنت کا سنگ بنیاد اور کئی صدیوں کے ہندو مسلم باہمی خوشگوار تعلقات کی بنیاد واساس ہے، بابر نے ہمایوں سے کہا تھا: ''اے پسر! سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے، الحمد للہ! اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی، تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصّباتِ مذہبی کو دل سے دھو ڈالو اور عدل وانصاف میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں پر قبضہ نہیں کر سکتے...... جس طرح انسان کے جسم میں مل جل کر چار عناصر کام کر رہے ہیں، اسی طرح مختلف مذاہب رعایا کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحادِ عمل پیدا کرو، تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ رہے۔'' (علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے، ص: ۴۰)

اس کے برعکس ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے فلسفے پر عمل پیرا شاطر انگریز کا طریقۂ واردات کیا تھا؟ جان میکلم کی سنئے:

''اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں، ان کی عام تقسیم ہو، اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے مختلف ذاتوں اور فرقوں اور قوموں میں ہوں، جب تک یہ لوگ اس طریقے سے جدا رہیں گے، اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھ کر ہماری قوم کے استحکام کو متزلزل نہ کرے گی۔'' (ایضاً، ص: ۴۱)

⑤:......اس اجمال کی تفصیل کے لیے دیکھئے: آزادی ہند از مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

--برطانوی سامراج نے ہمیں کیسے لوٹا؟ از مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

⑥:...... ملاحظہ فرمایئے: چوہدری رحمت علی کا کتابچہ: ''NOW OW NEVER'' شریعہ اکیڈمی اسلام آباد نے اپنی مطبوعہ کتاب ''تصورِ پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں'' کے آخر میں یہ مختصر تحریر بھی شائع کر دی ہے۔

⑦:...... بانی پاکستان کے بعض افکار وارشادات کے لیے ملاحظہ کیجئے: ''تصور پاکستان، بانیان پاکستان کی نظر میں''

⑧:......حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اس نوع کا جملہ تو مشہور ہے، مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا تھا: ''پاکستان وجود میں آ گیا ہے تو اب اُسے باقی رہنا چاہیے، اس کا بگڑنا سارے عالم اسلام کے لیے شکست کے برابر ہوگا۔'' (نوائے وقت، ۲۳ مارچ ۱۹۷۳ء)

www.banuri.edu.pk